حفظ حیا اور کنواری لڑکیاں

تحریر: ام عبد منیب

سخنِ وضاحت: راقمہ ایک عورت ہے اور الحمد للہ مسلمان بھی۔ اس نے حفظ وحیا اور کنواری لڑکیوں کے حوالے سے سابقہ اور موجودہ تہذیب میں جو فرق محسوس کیا اور اس نے عملی زندگی میں قدم قدم پر حیا کو دھچکے لگتے ہوئے دیکھے تو اس کے دل سے یہ تمام دھچکے دل خراش چیخ بن کر نکلنے کیلئے بے تاب ہو گئے، اس نے قلم پکڑ لیا اور اپنے دکھ کو، اپنے احساسات کو، اپنے کرب کو، ہاں امت مسلمہ کے اس کربناک پہلو کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے بیٹھ گئی۔ نئے دور میں اس نے پرانی باتیں سنانے کی کوشش کی ہے۔ شاید کسی شخص کے دل میں کوئی بات اتر جائے۔

زیر نظر موضوع میں سابقہ معاشرت کے اسلام کے اصولوں سے مزین اس اشرف طبقے کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمہ طور پر شریف اور باعزت کہلاتا اور سمجھا جاتا تھا، لوگ اس کی پیروی کرنا اور اس میں شامل ہونا اور رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ تہذیب اسلامی کا روشن چہرہ ہوتا تھا...... ورنہ اس دور کی عمومی تہذیب میں بھی بہت سی وہ خرافات موجود تھیں جو آج بھی موجود ہیں البتہ ان کے انداز اور نام بدل چکے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تب گناہ، رذالت، بے حیائی اور بے غیرتی کو تعفن سمجھا جاتا تھا (اور ہے بھی یہ سب تعفن ہی) اس تعفن کے پاس پھٹکنے والا کوشش کرتا تھا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ میں کوڑے کے اس ڈھیر پر کھڑا بدبو سے اپنا دماغ اور خباثت سے اپنے جسم کو آلودہ کر رہا ہوں۔ لوگوں کو پتہ چل گیا تو میں بدنام ہو جاؤں گا ...... اور پھر اس پر رب کریم کی پکڑ کا خوف بھی اس پر کسی حد تک مسلط رہتا تھا۔

جبکہ دور حاضر میں باعزت لوگ وہ سمجھے جاتے ہیں جو ناچ، گانے، شراب، بے حیائی، آوارگی، برہنگی کو ہی عزت کا معیار سمجھتے ہیں، دھڑا دھڑ ان کی تقلید کر رہے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، نہ اللہ کا کوئی خوف نہ معاشرے کا کوئی لحاظ اور پاس۔ حیا کے تمام بند توڑ دینے والے لوگ عزت اور شرف کی مسند پر بٹھائے جا رہے

ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تہذیب حاضر نے عورت کو خود اعتمادی دی ہے۔ وہ سر فخر سے بلند کر کے خود مختار زندگی بسر کر رہی ہے۔

لیکن کہاں ہے وہ حیا کا آبگینہ جسے ﴿حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ ''خیموں میں مستور حوروں'' سے تشبیہ دی جا سکے؟ جن کیلئے رسول اللہ ﷺ حُدی خوان کو تاکید کریں (رِفْقًا بِالْقَوَارِيرِ) ''آبگینوں کی خاطر نرمی''!...... کہاں ہیں وہ دختران عفت مآب! جن کے بارے باپ قسم کھائے کہ اس نے کبھی کسی نامحرم کو نہیں دیکھا؟ کہاں ہے اس فاطمہ زہراؓ کی پیرو، جن کو موت کے بعد بھی یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ان کے کفن میں لپٹے ہوئے جسد خاکی کے ابھار کسی نامحرم کی نظر میں نہ آ جائیں؟ کہاں ہے وہ بنت حوا، جو اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ کی طرح رذیل بڑھاپے میں بھی نفیس کپڑا اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر واپس کر دے کہ اسے پہننے کے بعد جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہوں گے؟ کہاں ہے وہ انصاریہ عورت کی بہن جس نے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم دین سیکھنے کے بجائے اپنی حیا کے تحفظ کیلئے درخواست کی کہ خواتین کی تعلیم کیلئے الگ دن مقرر کیا جائے؟ کہاں ہے مریم عذرا کی جانشین! جس کے تقدس، عفت اور حیا کی گواہی خود رب کریم دے۔ کہاں ہیں وہ بنات عائشہؓ جن کی صفت میں اللہ نے فرمایا: ﴿الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ ''اپنے دامن کو ہر قسم کی بے حیائی سے بچانے والیاں، ہر قسم کی بے حیائی کے ذرائع و عوامل سے ناواقف، بھولی بھالی معصوم اور پختہ ایمان والی عورتیں''

راقمہ نے ایسی ہی بے مثال جنتی عورتوں کی تلاش، پہچان اور سیرت گری کیلئے قلم تھاما ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے، آپ سب سے قولاً اور عملاً آمین کی متمنی!

حیا کیا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''وہ صفت جو انسان میں باعث عار اور باعث مذمت امور کے خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ شرعی طور پر وہ اخلاقی صفت جس کی رو سے انسان قبیح افعال سے اجتناب کرتا ہے اور صاحب حق کو اس کا حق دینے کی سعی کرتا ہے''۔ [فتح الباری: ۱/۵۲]

محترمہ بنت الاسلام لکھتی ہیں: ''کوئی فحش، گناہ آلود یا کوئی ناپسندیدہ کام یا بات کرنے کے خیال سے جو جھجک، تامل اور بے چینی پیدا ہوتی ہے اسے حیا کہتے ہیں''۔ (اُسوۂ حسنہ)

گویا حیا ایسی جھجک، شرم، لحاظ یا آڑ ہے جو انسان کو کسی غیر اخلاقی اور غیر شرعی کام یا بات کرنے میں آڑے آتی ہے۔ کبھی یہ شرم یا لحاظ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے اور کبھی انسانوں سے اور کبھی خود اپنے آپ سے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ، وَکَرِھْتَ اَنْ یَطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ)[صحیح مسلم کتاب البر و الصلة، باب تفسیر البر و الاثم] ترجمہ: ''نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھے ناگوار گزرے۔''

حیا اور ضمیر: بعض کام ایسے ہیں جنہیں انجام دے کر انسان خوشی محسوس کرتا ہے اور بعض کاموں کے کرنے سے دل میں کھٹک رہتی ہے۔ انسان کے اندر سے آواز اٹھتی ہے کہ یہ کام کر کے اچھا نہیں کیا۔ فلاں کو پتہ چل گیا تو وہ کیا کہے گا؟ اسی آواز کو ضمیر کہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر خیر و شر کے فطری پیمانے کے طور پر نصب کیا ہوا ہے۔ جبھی آدمی سے کوئی غلط کام سرزد ہوتا ہے یہ خبردار کرنا اور احتجاج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ گویا ضمیر حیا ہی کا جڑواں بھائی ہے۔ دونوں کا کام ایک ہے، صرف طریق کار میں فرق ہے۔ حیا کسی کام کو کرنے سے پہلے ہی نفس انسانی اور اس کام کے درمیان آ کر آڑ بن جاتی ہے، جب کہ ضمیر ناپسندیدہ بات یا کام ہو چکنے کے بعد غلط روی پر احتجاج کرتا ہے۔ اگر انسان حیا کی پاس داری کرتا رہے تو وہ کبھی غیر اخلاقی اور غیر شرعی حرکات کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اگر وہ حیا کی دیوار توڑ کر کوئی ناروا کام کر گزرے تو اس کا ضمیر اسے کچوکے لگاتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ آدمی غلط کام سے رکنے کی عادت اپنا لیتا ہے۔ اگر انسان ضمیر کو نظر انداز کر دے، اس کے کچوکے سہہ کر بھی زبردستی نفس کی خواہش سے مغلوب ہو کر غلط کام کرتا رہے تو انسان بے حیا اور بے ضمیر ہو جاتا ہے۔ اب اسے کسی غلط کام کے ارتکاب میں نہ حیا آڑے آتی ہے اور نہ ہی غلط کام کرنے کے بعد اسے ضمیر کی احتجاجی آواز سنائی دیتی ہے۔

جو شخص بے شرم، بے لحاظ اور بے حیا ہو جائے وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ مَااَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ)[صحیح بخاری، کتاب الأدب] ''تحقیق جو لوگوں نے پہلے انبیاء کے کلام میں سے پایا ہے یہ ہے کہ اے اولاد آدم! جب حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کر۔''

حیا ایک فطری جذبہ: حیا کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیطان نے جو سب سے پہلا حملہ

آدم علیہ السلام اوران کی زوجہ محترمہ پر کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے لباس ہو گئے اور شدتِ حیا کے باعث اپنے جسم کو جنت کے درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے: ﴿فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [الاعراف:۲۲] ترجمہ: ''غرض (مردود شیطان نے) ان کو دھوکا دے کر اپنی طرف کھینچ لیا، جب ان دونوں نے درخت کے پھل کو کھالیا تو ان کی ستر کی جگہیں کھل گئیں اور وہ جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے (ستر چھپانے کیلئے) لگے''۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو شیطان اس کی حیا پر وار کرتا ہے تا کہ انسان کو گمراہ کرنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حیا کا جذبہ فطری طور پر آدم وحوا کے اندر موجود تھا اور یہ جذبہ ہر ابن آدم کے اندر یکساں موجود ہوتا ہے۔ پھر وہ چاہے تو اسے دبا کر کم کر دے، چاہے تو اس کی ایسی حفاظت کرے کہ وہ کامل طور پر اس کے اندر موجود رہے۔

عثمانؓ نے اپنے حیا کے اسی جذبے کا اس قدر تحفظ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان الہام نے ان کے بارے میں فرمایا: (اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِيْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ) ترجمہ: ''میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں''۔ [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عثمان]

حیا اور ایمان: حیا کا تعلق ایمان سے چولی دامن کا سا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اَلْحَيَاءُ وَالْاِيْمَانُ قُرَنَاءُ فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ) [مستدرک حاکم، کتاب الایمان] ترجمہ: ''حیا اور ایمان باہم جڑے ہوئے ہیں جب ان میں سے ایک اٹھتا ہے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے''۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے تحفظ کیلئے حیا کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حیا تمام اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے۔ قلب سلیم اس کے بغیر سلیم ہو ہی نہیں سکتا۔ نیکی کے تمام مظاہر حیا کے باعث ہی پروان چڑھتے ہیں۔

حیا کنواری لڑکی کا جوہر: رسول اللہ ﷺ کی حیا کی صحابہؓ نے یوں تعریف کی ہے: (كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا، فَاِذَا رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهِ) [صحیح بخاری،

کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ...... صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرۃ حیاءہ ﷺ، ص: ۲۳۴۵]
''آپ کنواری دوشیزہ سے بھی بڑھ کر حیادار تھے۔ آپ ﷺ کو اگر کوئی کام ناگوار گزرتا تو حیا کے باعث اس کا نام نہ لیتے بلکہ آپ ﷺ کے چہرے سے پتہ چل جاتا کہ آپ ﷺ کو فلاں کام ناگوار گزرا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی حیا کو صحابہ کرامؓ نے گھر کی چار دیواری میں رہنے والی کنواری دوشیزہ سے بھی بڑھ کر بتایا۔ اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا یوں تو ہر انسان کا زیور ہے لیکن کنواری لڑکی کا جوہر اصلی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کنواری مریمؑ کی تعریف میں فرمایا: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾[التحریم:۱۲] ''اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھی اور فرمانبرداروں میں سے تھی''۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی سب سے مقدس قسم حوران جنت کے بارے میں فرمایا: ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾[الرحمٰن:۷۲] ''حوریں جو خیموں میں مستور ہیں''۔ ﴿فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾[الرحمٰن:۵۶] ''ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جن نے''۔

نیز ان کی حیا کی انتہا کے باعث فرمایا: ﴿كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ﴾[الرحمٰن:۵۸] ''گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں''۔ نیز فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾[الواقعہ:۳۶] ''پس ہم نے ان کو کنواریاں بنایا''۔

یہ انداز بیان اس بات کا گواہ ہے کہ کنواری لڑکی اپنی حیا اور عفت کے باعث گوہر مکنون کہلاتی ہے۔ کنواری لڑکی کی حیا کی اس بنیادی تعریف کی وجہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی، اس کے دل و دماغ ابھی ان تصورات اور امور سے نابلد اور خالی ہوتے ہیں جو حیا کے جذبے کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنیں۔ زوجین کا اپنے رشتے کے لحاظ سے جن ازدواجی امور سے واسطہ پڑتا ہے، کلامی ہوں یا جسمانی، ان سے ابھی وہ گزری ہی نہیں ہوتی، نہ ان کے تصورات اس کے ذہن میں واضح ہوتے ہیں۔ ان پر بات کرنے کا بھی اس کیلئے کوئی موقع ہوتا ہے نہ موقع آتا ہے۔ اس لئے اس میں حیا مکمل طور پر موجود ہوتی ہے۔ کنواری لڑکی کے برعکس شادی شدہ عورت

میں حیا کم ہوتی ہے، جس کا اشارہ اس حدیث میں بھی ملتا ہے:

عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح اس کے گھر والے کردیں تو کیا اس سے اجازت لینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (**نَعَمْ تُستَأمَرُ**) ترجمہ: ''ہاں! اس سے اجازت لینا چاہئے''۔

ام المومنین عائشہؓ (جو کنواری لڑکی کی شرم وحیا سے واقف تھیں انہوں) نے (**فَاِنَّهَا تَستَحِیُ**) ''وہ تو شرماتی ہے''۔ (یعنی شرم کے باعث اپنے نکاح کے بارے میں کھل کر بات نہیں کرسکتی) آپ ﷺ نے فرمایا: (**فَذَالِکَ اِذْنُهَا اِذَا هِیَ سَکَتَتْ**) ''اس وقت اس کا چپ رہنا ہی اجازت ہے''۔ [صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت] نیز آپ ﷺ نے فرمایا: (**اَلاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا**) [صحیح مسلم] ''بیوہ اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے''۔

یعنی وہ جہاں چاہے اپنے نکاح کا فیصلہ کرلے ولی اس کے فیصلے کو ماننے کا پابند ہے۔ مذکورہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ میں کنواری لڑکی کی حیا کا تصور بہت شفاف، پاکیزہ اور ارفع واعلیٰ تھا۔

حفظ حیا اور کنواری لڑکیاں: وہ کون سے خصائص ہیں جن کی بناء پر کنواری لڑکی کو یہ شرف وعزت حاصل ہوتا ہے؟ کیا حیا کا یہ اعلیٰ وارفع تصور ہمارے موجودہ معاشرے میں بھی پایا جاتا ہے؟ اگر نہیں تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ ہماری سابقہ معاشرت میں کنواری لڑکی کی حیا کے تحفظ کے کون کون سے مظاہر روبہ عمل تھے؟ آیئے! اس کا جائزہ لیں۔

حفظ حیا اور والدین کا کردار: ہماری سابقہ معاشرت میں بیٹی کے پیدا ہوتے ہی والدین فکرمند ہوجاتے کہ یہ بیٹی ہے لہٰذا اس کی تربیت اور پرورش میں بہت جان ماری کرنا ہوگی۔ ماں باپ اور گھر کے تمام بزرگ بچیوں کی ہر حرکت پر غیر محسوس انداز میں نظر رکھتے جیسے ہی ادب، سلیقہ اور حیا سے گری ہوئی کوئی حرکت دیکھتے، اس کی اصلاح کی کوشش کرتے۔

مائیں اپنے بچوں میں قناعت، صبر، تحمل، شکر گزاری، سلیقہ مندی، مردوں کی عزت اور فرمانبرداری جیسی

صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتیں ۔ چنانچہ لڑکیاں اپنے باپ، دادا، نانا، چچا، بھائیوں وغیرہ کا بہت احترام کرتیں۔ان کے سامنے نظر اٹھا کر دیکھنا.... بے باک ہو کر بات کرنا.... شوخی کرنا.... بن ٹھن کر سامنے آنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔اس تربیت کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ وہ سسرال جا کر ان کی خدمت گزار اور شوہر کی وفادار ثابت ہوتیں۔

جوانی کی دہلیز پر: جوان ہوتے ہی انسانی جسم میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی جسم، دل، اور دماغ میں ایک ہلچل پیدا ہو جاتی ہے ۔ جذبات ایک طوفان کی صورت اختیار کرنے پر زور آزمائی کرتے ہیں ۔ عمر کا یہ حصہ بہت نازک ہوتا ہے ۔ اگر اسے مثبت سرگرمیوں میں مصروف نہ رکھا جائے تو بچوں کے بے راہ ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ سابقہ معاشرت کی مائیں ان پڑھ ہونے کے باوجود اس عمر کے تقاضوں سے خوب واقف تھیں ۔ وہ کنواری لڑکیوں کو گھریلو کاموں میں مصروف رکھتیں تا کہ ان کا ذہن ادھر ادھر نہ بھٹکے اور آنکھ دائیں بائیں اٹھنے سے محفوظ رہے ۔ کھانا پکانا، سینا پرونا، چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالنا، صفائی کرنا، کپڑے دھونا، رات کو سب افراد کیلئے بستر بچھانا اور صبح تہہ کرنا غرض گھر کے ہر قسم کے کام لڑکیوں کے ذمے ہوتے تھے۔

دور حاضر میں اس قسم کا کام یا تو ملازمہ کرتی ہیں یا مائیں ۔ لڑکیاں صرف تعلیم حاصل کرتی ہیں ۔ سکول اور کالج کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں ۔ ٹی وی دیکھنا، سہیلیوں سے ملنا ملانا، رسالوں اور ناولوں کا مطالعہ کرنا، تقریبات میں شامل ہونا، کمپیوٹر اور موبائیل کی آڑ میں بہت سے حیا سوز مناظر دیکھنا اور حیا سوز گفتگو کرنا اور سننا، ان کے مشاغل کا حصہ ہوتا ہے ۔ البتہ کبھی کبھار وہ کوئی خاص ڈش بنا لیتی ہیں تا کہ کھانے والے اس کی تعریف کریں یا سلائی کڑھائی اس لئے سیکھتی ہیں کہ وہ یہ رعب ڈال سکیں کہ وہ کڑھائی سلائی بھی کر سکتی ہیں۔

جب لڑکی کے جسم میں جوانی کی علامات ظاہر ہونے لگتیں تو دوپٹے پہلے کی نسبت مزید موٹے اور کھلے ہو جاتے ۔ کپڑے پورے بازوؤں والے پہنتیں ۔ نظروں کو جھکنا اور زبان کو خاموش رہنا آ جاتا ۔ بچپن کی اچھل کود، شوخی خود بخود سنجیدگی اور وقار میں ڈھل جاتی ۔ چہرے پر معصومیت، جوانی اور حیا کا حسن لڑکی کو بغیر کسی غازہ و پاؤڈر کے خوبصورت بنا دیتا۔

ضرورت کیا مری مشاطگی کی حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

جب لڑکیاں پہلی بار جوانی کے تجربے سے گزرتیں تو مائیں انہیں یہ تاکید کرتیں کہ ان کی یہ حالت کسی پر

ظاہر نہیں ہونا چاہئے خصوصاً مردوں پر۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ کئی کئی سال تک کسی خاتون تو کیا سہیلی تک کو پتا نہ چلتا کہ یہ لڑکی اس حالت سے گزرتی ہے۔ گندگی سے بھرے کپڑے یا مٹی میں دبا دیئے جاتے یا جلا دیئے جاتے تا کہ کسی کی نظروں کے سامنے نہ آئیں۔

دور حاضر میں ان حالتوں کا پتا ان لڑکیوں کو بھی ہوتا ہے جو خود اس تجربے سے نہیں گزری ہوتیں۔ نیز گھروں میں موجود مرد بھی بہنوں اور بیٹیوں کی اس کیفیت سے کسی نہ کسی حد تک واقف ہوتے ہیں۔ اسکولوں میں چھوٹی چھوٹی بچیوں کو مصنوعات کی تشہیر کرنے والے مرد حضرات اس حالت میں احتیاط، پرہیز، علاج اور تدابیر کا کھلے الفاظ میں بتاتے ہیں۔

آہستگی اور دھیما پن: ہماری معاشرت میں مائیں اور بزرگ خواتین لڑکیوں کو یہ تربیت دیتی تھیں کہ ان کے ہر کام میں آہستگی اور دھیما پن ہو۔ انہیں تیز تیز چلنے اور اچھلنے کودنے سے روکا جاتا تھا۔ چلتے ہوئے یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ پاؤں کی چاپ نہ سنائی دے۔ قرآن حکیم نے شیخ کبیر کی وہ بیٹی جو موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی، اس کی حیا دارانہ چال کا ذکر تعریفی انداز میں کیا ہے۔ فرمایا: ﴿فَجَاءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ﴾ [القصص: ۲۵] ''ان میں ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس (موسیٰ) کے پاس آئی''

عورت کی دھیمی چال سے حیا کا بہت گہرا تعلق ہے۔ دور حاضر میں لڑکیاں مردوں کی طرح اکڑ اکڑ کر چلتی ہیں۔ کھیلوں میں حصہ لیتی اور ورزشیں کرتی ہیں۔ جوتے بھی ایسے پہنتی ہیں جن سے چال میں تفاخر اور مردانہ پن آئے، مثلاً ہیل والے جوتے۔ لڑکیوں کو گھریلو کام کاج کرتے ہوئے یہ بھی تربیت دی جاتی تھی کہ انتہائی خاموشی سے اپنا کام کریں۔ برتن دھوتے، کھانا پکاتے یا دیگر کام کرتے ہوئے کسی قسم کی کھڑکھڑاہٹ یا آواز پیدا ہونا ناگزیر بھی ہو تو بہت دھیمی ہو، تا کہ گھر میں لڑکی کی موجودگی کا یا اس کے کسی کام کے کرنے کا گھر میں کسی آنے والے اجنبی یا مہمان رشتہ دار کو بھی پتا نہ چلے۔

لڑکیوں کا قہقہے لگانا، ہنسی مذاق کرنا، بے ہودہ اور حیا کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ ماؤں کو معلوم تھا کہ بے باکانہ ہنسی مذاق سے بچیوں میں موجود حیا کا عنصر کمزور پڑ جاتا ہے۔

لیٹنے کا انداز: گھر کے مردوں کی موجودگی میں (باپ، دادا، بھائی وغیرہ) لڑکیوں کا دن کے وقت لیٹنا معیوب

سمجھا جاتا تھا۔ اگر وہ کسی وجہ سے لیٹ جاتیں تو جیسے ہی کسی مرد کی آمد کا احساس ہوتا فوراً اٹھ کر اپنے کپڑے وغیرہ درست کرلیتیں۔ اگر بیماری کی وجہ سے لیٹنا ناگزیر ہوجاتا تو سخت گرمی کے موسم میں بھی اپنے پورے جسم کو کھیس یا بڑی چادر سے لپیٹ لیتیں تاکہ جسم کے نشیب وفراز یا اس کی ساخت کسی گھر والے مرد کی بھی نظر میں نہ آئے۔

بچیوں کو یہ سمجھایا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ کروٹ پر لیٹیں، چت لیٹنے سے انہیں سختی سے منع کیا جاتا۔ مائیں اور بزرگ خواتین یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ کروٹ کے بل لیٹنا سنت بھی ہے اور ستر کو ڈھانپے رکھنے اور حیا کے تقاضوں کو پورا کرنے میں معاون بھی۔ جب کہ چت لیٹنے سے اعضاء ستر اور جسم کے ابھار نمایاں ہوجاتے ہیں۔

گرمیوں میں صحن یا چھت پر سونے کیلئے چار پائیاں بچھائی جاتی تو عورتوں اور خصوصاً لڑکیوں کی چار پائیاں اس طرف بچھائی جاتیں جو گھر کی آخری جگہ ہوتی۔ بیرونی دروازوں یا آنے جانے والے راستوں کی طرف مردوں کے سونے کا انتظام کیا جاتا تھا تاکہ اگر کوئی باہر سے مہمان مرد آئے تو مردانہ سونے کی جگہوں تک ہی محدود رہے۔ جوان لڑکیوں کے بستر تک اس کے قدم، نگاہیں اور آواز نہ جائے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ اسلام اجنبی مرد کی نظر اور آواز کا عورتوں تک پہنچنا پسند نہیں کرتا۔ نیز اس سے کسی وقت بھی کوئی خرابی نامحرم مرد اور عورت کے درمیان جنم لے سکتی ہے۔ نیز اس دور کے مرد اپنے گھر کی عورتوں کی عصمت وعفت کے انجانے طریقوں سے بھی واقف تھے جن سے آج کی پڑھی لکھی، نفسیات دان تہذیب کے لوگ بھی واقف نہیں۔

کھڑکیاں اور بالکونیاں: تب یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ لڑکیاں گھر کی بیرونی کھڑکیوں اور باہر کے دروازوں، چھت کی منڈیروں اور بالکونیوں کے ساتھ لگ کر کھڑی نہ ہوں اور نہ ہی کسی کام کے بہانے ادھر جائیں۔ اس وقت کے بزرگ یہ جانتے تھے کہ یہ وہ خطرناک جگہیں ہیں، جہاں سے تانک جھانک کر کچھ کہنے، کچھ سننے اور اشارے کنائے کے زہرناک تیر استعمال کرنے کا جوان نسل کو موقع ملتا ہے اور اب لڑکیاں! کیا لڑکے! ان جگہوں پر کھڑے ایک دوسرے کا نظارہ کرتے ہیں۔

تعمیر مکان اور حفظ حیا: تب مکان بناتے ہوئے مردانہ حصہ زنانہ حصہ سے بہت باہر دور کی گلی سے ملحق اس طرح بنایا جاتا تھا کہ جو بھی مرد باہر سے آئے وہ باہر ہی بیٹھک کے اندر داخل ہو اور وہیں سے اپنا کام کر کے چلا جائے۔ نیز اس کا کوئی دروازہ ایسی سمت نہیں رکھا جاتا تھا جس سے بالا رادہ یا بغیر ارادے کے گھر کی عورت پر نظر پڑنے کا امکان ہو یا ان کی گفتگو سنائی دے سکے۔

دور حاضر میں کھلے ڈرائنگ روم گھروں کے اندر اس انداز سے بنائے جاتے ہیں جن کے دروازوں اور کھڑکیوں سے عموماً اندر بیٹھنے والوں پر نظر پڑتی ہے۔ نیز گھروں کے اندر سے عورتوں کے بولنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں

بلکہ اب عورتوں کو پردہ بھی نہیں کروایا جاتا، اس لئے وہ ہر آنے والے مرد مہمان کے سامنے آ کر تواضع کے لوازمات رکھتی ہیں بلکہ بعض گھرانوں میں ساتھ ہی بیٹھ کر کھاتی پیتی بھی ہیں۔

دروازے یا فون کی گھنٹی اور حیا: سابقہ معاشرت کا دستور تھا کہ جیسے ہی دروازے پر دستک ہوتی مرد اٹھ کر دروازہ کھولتے یا پھر ان کی غیر موجودگی میں گھر کی بزرگ خواتین دروازہ کھولتیں...... لیکن اب گھر میں مردوں کے ہوتے ہوئے بھی دروازے یا فون کی گھنٹی بجنے پر عورتیں یا لڑکیاں ہی اٹھتی ہیں اور آنے والے کی بات سنتی ہیں۔ شرعی آداب کی رو سے یہ دونوں کام مردوں کے کرنے کے ہیں لیکن دور حاضر کے مردوں نے اپنا بوجھ اتار کر عورت کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ لڑکیوں کے فون سننے سے کون کون سے فتنے جنم لے رہے ہیں، اس سے اہل زمانہ واقف ہیں۔ وہ آئے روز بہت سے دل سوز اور حیا باختہ حادثات کے بارے پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ نہ ہی عورتیں مردوں میں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ مرد ہی فون اٹھائیں اور نہ ہی مردوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا نہ کر کے کتنے بڑے دنیوی اور اخروی خسارے مول لے رہے ہیں۔

نوجوانوں سے بات چیت اور حیا: سابقہ معاشرت میں کنواری لڑکیوں کو یہ موقع نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ کسی نامحرم نوجوان سے بات کریں۔ مائیں یا گھر کی بزرگ خواتین ہی نامحرم مردوں سے بات کرتی تھیں۔ لڑکیوں کو اگر کبھی بات کرنے کی ضرورت پڑ جاتی تو وہ نظریں جھکائے ہوئے...... گھر کے دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر مختصر سی بات کرتیں۔ نوجوان مرد بھی چونکہ آداب معاشرت سے آگاہ ہوتے تھے اس لئے وہ خود بھی لڑکیوں سے بات کرنے سے کتراتے تھے۔ گھروں کے بزرگ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ نوجوان نامحرم مرد اور عورت کو بات چیت کا موقع دینا ایسے ہی ہے جیسے پٹرول کو ماچس کی تیلی کا اشارہ کرنا، لہٰذا وہ اس سلسلہ میں حد درجہ احتیاط کرتے۔ اسلام نے بھی تو عورت کی آواز پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہی اس کی آواز کوئی نامحرم سنے اور اگر بات کرنا پڑ ہی جائے تو وہ نرم اور شیریں لہجے میں بات نہ کرے تاکہ دلوں کا مرض عود کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے...... جوانی میں آواز خوبصورتی اور نرمی، بات کرنے والے کے نوجوان ہونے کا تصور دلوں میں کیسے کیسے فتنے اٹھاتا ہے اور کیسے کیسے خیالات کو جنم دیتا ہے۔ اس سے اللہ علیم وحکیم کی ذات خوب واقف ہے، اسی لئے فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ [الاحزاب:٣٢] ''پس لوچ دار آواز میں بات نہ کیا کرو تاکہ وہ (سننے والا) جس کے دل میں کھوٹ ہے، طمع نہ کرے''۔ [جاری ہے] (بشکریہ الاعتصام، لاہور)

حرف اعتذار

''حرمین'' کے گزشتہ شمارہ مارچ اپریل میں نذیر کرٹن ہاؤس کے حوالے سے انوار ادریس کا نام سہواً چھپ گیا جب کہ یہ کاروبار شیخ طارق نذیر کا خالصتاً ذاتی کاروبار ہے۔